برہان رہی۔

فقہی اور فروعی اختلافات کے اسباب

افادات

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

مترجمہ

(مولوی ضیاء الدین صاحب اصلاحی)

فقہ اسلامی کے دورِ اول ہی سے جو اختلافات چلے آرہے ہیں ان کو دیکھ کر ہمارا روشن خیالی اور تجدد پسند طبقہ اسلام پر نہایت ہی رکیک قسم کے الزامات عائد کرنے کی کوشش کر رہا ہے حالانکہ یہ جزئی اختلافات ایک بالکل فطری اور ضروری امر ہے اور یہ اختلافات درحقیقت مذموم نہیں ہیں بلکہ وہ رقابت اور آپس کی چشمک مذموم ہے جس کا ابتدائی دور میں کہیں نام و نشان بھی نہ تھا اور جس نے چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں جنم لے کر امتِ مرحومہ کو گھن کی طرح کھانا شروع کر دیا اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسبابِ اختلافات پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں اور چوں کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو تمام علومِ اسلامیہ میں درک و مہارت حاصل ہے اور وہ اسرارِ شریعت کے بہت بڑے عالم اور نکتہ داں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں ہر ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ان کا قلم ہر ہر مسئلہ پر جس خوبی اور صفائی کے ساتھ روشنی ڈال سکتا ہے وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں اس لئے ہم انھیں کے افکار و خیالات ان کی مشہور اور معرکۃ الآرا کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" سے درج کر رہے ہیں ؎

داستانِ عہدِ گل را از نظیری باز پرس　　عندلیب آشفتہ تر گوید ازیں افسانہ را

اور یہ فقہی اختلافات چوں کہ صحابہ اور تابعین ہی کے زمانہ سے چلے آرہے ہیں اس لئے اس مضمون میں انھیں کے اسبابِ اختلاف کا تذکرہ کیا جارہا ہے اس کے بعد شاہ صاحبؒ

نے فقہاء کے اختلافات بھی بیان فرمائے ہیں۔ سر دست ہم اسی فصل کے ترجمہ پر اکتفا کر رہے ہیں کیوں کہ اس سے اختلاف کے اصلی وجوہ کا بخوبی سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں فقہ آج کی طرح مدون نہ تھی اور نہ فروعی احکام و مسائل میں فقہاء کے طریقۂ بحث و نظر کی طرح وہاں بحثیں ہوتی تھیں اس لئے کہ فقہاء ارکان، شروط اور آداب وغیرہ کو دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور مختلف صورتیں فرض کر کے ان مفروضہ صورتوں پر مسائل کا استخراج و استنباط کرتے ہیں، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب آپ وضو کرتے تو صحابہ بھی بغیر رکن و ادب کو معلوم کئے ہوئے اسی طریقہ کو اختیار کر لیتے، آپ کو جس طرح نماز پڑھتے اور حج کرتے ہوئے دیکھتے اسی طرح خود بھی پڑھنے اور کرنے لگتے۔ اکثر یہی حال دوسرے معاملات میں بھی ہوتا تھا چنانچہ آپ نے وضو میں چار یا چھ فرائض ہونے کی کوئی تعیین نہیں فرمائی ہے اور نہ بغیر موالاۃ کے وضو کرنے کے متعلق وضو کی صحت یا فساد کا فیصلہ صادر فرمایا ہے الا ما شاء اللہ۔

اور خود صحابہ کرام بہت کم رسول اکرمؐ سے سوالات کیا کرتے تھے، عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:-

ما رأیت قوماً خیرا من اصحاب رسول اللہ، سألوہ عن ثلاث عشرۃ مسألۃ حتی قبض کلھن فی القرآن منھن (یسألونک عن الشھر الحرام قتال فیہ الخ) (ویسألونک عن المحیض) قال ماکانوا یسألون الا عما ینفعھم	میں نے رسول اللہ کے ساتھیوں سے زیادہ بہتر لوگ نہ دیکھے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیرہ (۱۳) سوالات کئے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا جن میں سے سب کا ذکر قرآن میں موجود ہے مثلاً (یسألونک عن الشھر الحرام) اور (یسألونک عن المحیض) ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ آنحضرت سے

صرف ضروری اور مفید باتوں کے متعلق سوال کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے :۔

"تم لوگ ایسی باتوں کے متعلق سوالات نہ کرو جو ابھی پیش نہ آئی ہوں، کیوں کہ میرے باپ (حضرت عمرؓ) اس طرح کے لوگوں کو لعنت ملامت کیا کرتے تھے جو ان باتوں کو پوچھتے تھے جو ابھی تک نہ ہوئی ہوں"

قاسم فرماتے ہیں :۔

"تم لوگ ایسی باتیں پوچھا کرتے ہو جن کے متعلق ہم لوگ نہیں پوچھا کرتے تھے اور تم لوگ ان باتوں کی کرید کرتے ہو جن کی ہم کرید نہیں کرتے تھے، تم لوگ ایسی چیزیں پوچھتے ہو جن کا مجھے کوئی علم نہیں اور اگر علم ہوتا تو میرے لئے ان کا کتمان جائز نہ ہوتا"

عمر بن اسحاق کا بیان ہے :۔

"جن صحابہ کو میں نے دیکھا وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (یعنی جو مجھ سے پہلے مر گئے) تو میں نے صحابہ سے زیادہ آسان سیرت اور کم شدت پسند کسی کو نہیں دیکھا"

اور حبیب بن اسحاق سے ایک ایسی عورت کے بارہ میں سوال کیا گیا جس کی موت ایسی جماعت کے اندر ہوئی جہاں اس کا کوئی ولی نہ تھا تو فرمایا کہ :۔

"میری آنکھوں نے ان لوگوں (صحابہ) کو دیکھا ہے جو تمھاری طرح شدت پسند نہ تھے اور نہ تمھاری طرح سوالات کرتے تھے"[1]

غرض دورِ نبوی کا حال فقہاء کے زمانہ سے بالکل مختلف تھا، آپ کے زمانہ میں مسائل سے واقفیت کی کم و بیش یہ صورتیں تھیں :۔

(۱) پیش آنے والے واقعات میں لوگ آنحضرتؐ سے فتویٰ طلب کرتے اور

[1] ان آثار کی تخریج دارمی نے کی ہے۔

آپ ان کو جواب دیتے۔

(۲) کوئی نزاعی معاملہ آنحضرتؐ کی بارگاہ میں بشکل مقدمہ دائر کیا جاتا اور آپ اس کا فیصلہ فرما دیتے۔

(۳) آپ صحابہ کو کوئی بہتر کام کرتے دیکھتے تو اس کی مدح و ستائش کرتے اور اگر کوئی ناگوارِ خاطر کام کرتے ہوئے پاتے تو اس پر اظہارِ ناپسندیدگی فرماتے۔ اور اکثر یہ ساری باتیں عام لوگوں کے اجتماعات میں ہوا کرتی تھیں اس لئے سب کو واقفیت ہو جاتی۔

ٹھیک یہی حال شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کا بھی تھا کہ انھیں جب کسی مسئلہ میں واقفیت نہ ہوتی تو لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم کرنے کی سعی کرتے چنانچہ جب حضرت ابو بکرؓ سے جدّہ کے حصہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور ظہر کی نماز کے بعد صحابہ کو جمع کر کے رسول اکرمؐ کا فرمان معلوم کرنا چاہا۔ تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ رسول اللہؐ نے جدّہ کو سُدس (چھٹا حصہ) دیا ہے، حضرت ابو بکرؓ نے مزید اطمینان کے لئے لوگوں سے تصدیق کرانی چاہی تو محمد بن سلمہ نے تصدیق فرمائی۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے غرق کے متعلق حضرت مغیرہؓ کی خبر کی طرف اور وباء کے بارہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی خبر کی طرف رجوع کیا اور جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان کے دروازہ پر آ کر اجازت طلب کی اور جواب نہ پا کر چل دیے تو پھر حضرت عمرؓ نے جب ان سے اس کا سبب معلوم کیا تو انھوں نے رسول اللہؐ کی حدیث سنائی لیکن حضرت عمرؓ نے مزید تحقیق کے لئے ایک شہادت طلب کی اور حضرت ابو سعیدؓ نے گواہی دی۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ میں اجتہاد کیا اور حضرت معقل بن یسارؓ نے انھیں بتایا کہ یہی فیصلہ رسول کریمؐ کا بھی ہے تو وہ بہت مسرور ہوئے اور تلاش کیا جائے تو اس طرح کے بہت سے واقعات! در مثالیں صحیحین، اور دوسری کتب

حدیث میں ملتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ اور صحابہ کا یہی معمول تھا۔

اب دیکھو کہ ہر صحابی کے لئے جہاں تک ممکن ہوتا وہ آں حضرت صلعم کے معمولات عبادت، فتاوے اور فیصلے دیکھتا، سنتا اور محفوظ کر لیتا اور ہر چیز کی قرائن سے کوئی نہ کوئی توجیہہ کرتا مثلاً کسی کو اباحت پر محمول کیا اور کسی کو اپنی عقل کے مطابق قوی دلائل و قرائن سے نسخ پر محمول کیا اس طرح رسول کریمؐ کا مبارک اور مسعود زمانہ ختم ہو گیا اور صحابہ کا یہی طریقہ رہا لیکن جب وہ اِدھر اُدھر شہروں میں پھیلے اور مختلف مقامات میں پھیل گئے اور ہر شخص اپنے خطہ کا امام اور مقتدیٰ تسلیم کیا جانے لگا نیز کثرت سے واقعات و حوادث رونما ہونے لگے، مسائل کا دور دورہ ہوا اور صحابہ کے پاس کثرت سے استفتاء آنے لگے تو انھوں نے اپنے حافظہ کے بھروسہ پر یا استنباط کے ذریعہ لوگوں کو جوابات دئے لیکن جب کسی مسئلہ میں آنحضرتؐ کی رائے معلوم نہ ہوتی اور کوئی موزوں استنباط بھی نہیں کر پاتے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرتے لیکن ان علل و اغراض کو معلوم کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھ چھوڑتے جس طرح کی علت کو سامنے رکھ کر نبیؐ اسی طرح کے کسی دوسرے مسئلہ میں کوئی حکم صادر فرماتے تھے۔ اس طرح صحابہ کے اندر اختلاف پیدا ہوا جس کی بعض صورتیں یہ ہیں:۔

(۱) پہلی شکل یہ ہے کہ کسی صحابی نے رسول اللہ کے کسی فیصلہ یا فتویٰ کو سنا جسے دوسرے صحابہ نے نہیں سنا تھا تو اس نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا، لیکن اس اجتہاد کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) اجتہاد کرنے والے صحابی کا اجتہاد بالکل فرمان نبویؐ کے مطابق ہو جائے جیسا کہ نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ابن مسعودؓ سے ایک ایسی عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس کا شوہر مہر کی تعیین سے پہلے ہی مر چکا تھا، مگر انھوں نے یہ کہہ کر ٹال دینا چاہا کہ مجھے اس سلسلہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم نہیں معلوم ہے، لیکن لوگ مہینوں آپس میں جھگڑتے رہے اور ان سے اصرار کرتے رہے تو بتایا کہ اسے مہر مثل دی جائے گی

اور وہ عدت گذارے اور وراثت میں بھی اس کا حصہ ہوگا۔ بعد میں حضرت معقل بن لیسار نے بتایا کہ خود رسولِ اکرمؐ نے اسی طرح کے مسئلہ میں ان کے قبیلہ کی ایک عورت کے ساتھ یہی فیصلہ کیا تھا یہ معلوم کرکے عبداللہ بن مسعودؓ کو بے انتہا خوشی ہوئی۔

(ب) دو صحابیوں میں مناظرہ ہوا اور حدیث بھی اس فریق کے ساتھ ہو جس کی بات غلبۂ ظن کے موافق ہو تو دوسرا صحابی اپنے اجتہاد کو ترک کرکے سماعی فیصلہ کو اختیار کرے مثلاً ائمۂ حدیث نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرۃ کا مسلک یہ تھا کہ جو صبح کو جنبی ہو کر اٹھے اس کا روزہ معتبر نہ ہوگا، لیکن ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے بتایا کہ حدیث ان کے متضاد مسلک کے خلاف ہے تو انھوں نے اپنے مسلک سے رجوع کر لیا۔

(ج) دو صحابیوں میں مناظرہ ہوا اور حدیث غلبۂ ظن کے خلاف ہو تو دوسرا صحابی اپنے اجتہاد کو ترک کرنے کے بجائے حدیث ہی میں اظہارِ قدح کرنے لگے جیساکہ اصحابِ اصول نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنتِ قیس نے حضرت عمرؓ کو بتلایا کہ انھیں تین طلاقیں دی گئیں مگر رسول اللہ نے ان کے لئے کوئی نفقہ اور سکنی نہیں مقرر فرمایا تو حضرت عمرؓ نے ان کی شہادت کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ

لا نترك كتاب الله بقول امرأة	میں ایک عورت کی بات کی وجہ سے خدا کی کتاب
لا ندری أصدقت ام کذبت	کو نہیں چھوڑ سکتا مجھے کیا معلوم کہ اس نے سچ کہا یا
لها النفقة والسكنى	جھوٹ مطلقہ ثلاثہ کو نفقہ اور سکنی ملے گا۔

اور حضرت عائشہؓ نے فاطمہ بنتِ قیس سے کہا: الا تتقی اللہ (کیا تمہیں اللہ کا ڈر نہیں ہوتا) اسی طرح کی ایک دوسری مثال کی تخریج شیخین نے کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک پانی نہ ملنے کی صورت میں بھی جنبی کے لئے تیمم جائز نہیں ہے اور حضرت عمار نے انھیں اپنے ایک واقعہ سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور انھیں جنابت لاحق ہوگئی اور پانی نہ ملا تو وہ خاک میں لت پت ہوگئے اور پھر آنحضورؐ کو اپنے واقعہ کی خبر دی

تو آپ نے فرمایا کہ:-

انما کان یکفیک ان تفعل ھکذا — تمھارے لئے تو صرف اتنا کافی تھا کہ اس طرح کر لیتے

وضرب بیدیہ الارض فمسح — اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار اور

بھما وجھہ ویدیہ — ان کو چہرہ اور ہاتھوں پر پھیر دیا۔

لیکن حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا اور ایک مخفی قدح کی وجہ سے ان کے نزدیک اس حدیث سے کوئی حجت نہیں قائم ہو سکتی لیکن یہی حدیث بعد میں متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے مشہور اور مستفیض کے درجہ میں ہو گئی اور لوگوں نے حضرت عمرؓ کے قدح کی پرواہ کئے بغیر حدیث کو اختیار کر لیا۔

(س) سرے سے کسی صحابی کو حدیث ہی نہ معلوم ہو چنانچہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ غسل کے وقت اپنی چوٹیاں کھول لیں لیکن حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابن عمرؓ کتنی مضحکہ خیز بات فرما رہے ہیں کیوں نہیں وہ عورتوں کو سر ہی منڈانے کا حکم دیتے میں تو رسول اللہؐ کے ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرتی تھی مگر تین مرتبہ سے زائد سر پر پانی نہ ڈالتی۔

اس کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے کہ جمہور کے نزدیک طواف میں رمل مسنون ہے اور عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے اسے بر سبیل اتفاق ایک عارضی ضرورت کی بنا پر کیا تھا اور وہ عارضی ضرورت یہ تھی کہ مشرکین نے مسلمانوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھ کر طنزاً کہا تھا کہ یثرب کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو نحیف و زار بنا دیا اور اب جب کہ یہ عارضی ضرورت ختم ہو گئی تو رمل مسنون نہیں رہا۔

(۲) وہم کی وجہ سے بھی اختلاف ہو سکتا ہے مثلاً آنحضرتؐ نے جب حج کیا تو بعض لوگوں نے سمجھا کہ آپ نے تمتع کیا اور بعض نے سمجھا کہ قران یا افراد کیا ہے اس کی دوسری مثال ابو داؤد کی وہ روایت ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا

کہ مجھے صحابہ کے موقعۂ احرام کی تعیین میں اختلافات پر سخت حیرت ہوتی ہے، ابن عباس رض نے جواب دیا کہ مجھے اس معاملہ میں خوب آگاہی ہے بلاشبہ آپ نے ایک ہی حج کیا تھا اور یہیں سے لوگوں کا اختلاف بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلعم حج کرنے چلے تو مسجد ذی الحلیفہ میں نماز پڑھی اور اسی مجلس میں احرام باندھا اور جب دونوں رکعتوں سے فارغ ہوئے تو تلبیہ کہنا شروع کیا، یہ واقعہ جن لوگوں کو معلوم ہوا انھوں نے محفوظ کر لیا پھر آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اور تلبیہ کہا تو بعض لوگوں نے اس واقعہ کو اخذ کر لیا اور یہ اس لئے کہ لوگ آگے پیچھے ایک دوسرے کے بعد آتے تھے اس لئے انھوں نے موقعہ احرام اسی کو سمجھا پھر جب آپ شرف بیداء پر چڑھے اور وہاں تلبیہ کہا تو کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے احرام اور تلبیہ یہیں سے شروع کیا ہے حالانکہ بخدا آپ نے احرام مسجد ذی الحلیفہ ہی میں باندھا تھا اور تلبیہ سوار ہوتے وقت اور بیداء پر چڑھتے ہوئے بھی کہا تھا۔

(۳) سہو اور نسیان کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جائے اس کی مثال یہ ہے کہ ابن عمر رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمرۃ ماہ رجب میں بھی کیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ ابن عمر رض کو سہو ہو گیا ہے۔

(۴) ضبط و حفظ کی وجہ سے اختلاف ہو جائے جیسا کہ ابن عمر رض یا خود حضرت عمر رض سے روایت ہے کہ:۔

ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ — یقیناً میت کو گھر والوں کے رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رض کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے کہا کہ ابن عمر رض حدیث کو بعینہٖ اخذ نہ کر سکے حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی عورت کی قبر کے پاس سے گذرے جس کے اہل و عیال اس پر گریہ وزاری کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا:۔

انھم یبکون علیھا وانھا تعذب — یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اسے قبر میں

فی قبرھا
عذاب دیا جارہا ہے۔

یہاں ابن عمرؓ کو دو باتوں میں دھوکہ ہوگیا اول یہ کہ وہ عذاب کی علت بکاء کو سمجھ رہے ہیں اور دوسرے وہ اس حکم کو ہر میت کے لئے عام قرار دے رہے ہیں۔

(۵) حکم کی علت میں اختلاف واقع ہو مثلاً قیام جنازہ کی علت کچھ لوگ تعظیم ملائکہ کو سمجھتے ہیں اس لئے مومن وکافر ہر ایک کے جنازہ پر قیام کو ضروری مانتے ہیں اور کچھ لوگوں کے نزدیک اس کی علّت موت کی ہولناکی ہے اس لئے وہ بھی مومن ومسلم سب کے جنازہ کے لئے عام قرار دیتے ہیں اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضورؐ ایک یہودی کے جنازہ سے گذرے تو اس کراہیت کی وجہ سے کھڑے ہوگئے کہ حاشا وہ آپ کے سر سے گذر جائے اس لئے ان کے نزدیک یہ قیام صرف کافر ہی کے جنازہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۶) دو مختلف باتوں کے درمیان جمع وتطبیق کی وجہ سے اختلاف واقع ہو مثلاً آں حضور کریم صلعم نے خیبر کے سال متعہ کی رخصت دی پھر عام اوطاس میں اجازت دی اور پھر اس سے روک دیا لیکن ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے رخصت ضرورت کی بنا پر دی تھی اور ممانعت ضرورت کے ختم ہونے کی وجہ سے کی تھی اس لئے حکم رخصت ضرورتاً برقرار رہے گا مگر جمہور کے نزدیک رخصت اباحت کے لئے تھی۔ اور نہی اس اباحت کو منسوخ قرار دے رہی ہے۔

یہ صحابہ کے اختلافات کی مختصر سی تفصیل تھی اور یہیں سے تابعین کے اختلافات کا بھی پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے بھی امکان بھر صحابہ سے مسائل سیکھے آں حضرت صلعم کی حدیثوں کو سُنا اور مختلف باتوں کے درمیان جمع وتطبیق دی اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی، بعض کبار صحابہ کے مسلک کو مشہور حدیثوں کی وجہ سے مرجوح قرار دیا جیسا کہ جنبی کے تیمم کے مسئلہ میں حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کا مسلک اس لئے ان کے نزدیک مرجوح ہے کہ حضرت عمار بن یاسر اور عمران بن حصین کی مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔

اس طرح گویا علمار تابعین میں سے ہر ایک نے اپنی جگہ پر ایک مستقل حیثیت اختیار کرلی، اور ہر ہر مقام پر کچھ لوگ امام اور مقتدی مانے جاتے تھے مثلاً مدینہ میں سعید بن مسیب اور سالم بن عبداللہ اور ان کے بعد زہری، یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن، مکہ میں عطاؒ بن ابی رباح، کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی، بصرہ میں حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں مکحول امام اور مقتدی تسلیم کیے جاتے تھے، اور لوگوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے ان کے علوم کی پیاس اور تڑپ پیدا کردی اور انھوں نے ان ائمہ سے حدیثیں، صحابہ کے اقوال اور فتاوے اور خود ان کی ذاتی تحقیقات جمع کر کے محفوظ کرلیا اور جب مسائل پیش آتے تو خود ان بزرگوں کی خدمت میں استفتار پیش کر کے جواب طلب کرتے۔

سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی نے فقہ اسلامی کے تمام ابواب کی جمع و تدوین کی اور ہر ہر باب میں سلف سے اصول مستنبط کیے۔

یہاں پہنچ کر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ فقہ کے کئی اسکول اس وقت قائم ہوگئے تھے سعید اور ان کے اصحاب کا خیال تھا کہ فقہار مکہ اور مدینہ کا مسلک زیادہ قوی اور مستند ہے اور ان لوگوں کے فقہی مسالک کا دارومدار زیادہ تر عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کے فتووں اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلوں پر تھا، ان لوگوں سے جہاں تک ممکن ہوا ان بزرگوں کی باتوں کو جمع کیا اور پوری تحقیق و تفتیش کے ساتھ ہر مسئلہ کو پرکھا اور جس پر علمار مدینہ کا اتفاق نظر آیا اسے پوری مضبوطی کے ساتھ اختیار کرلیا اور جس میں ان کا اختلاف ہوتا تھا اس میں سب سے قوی اور راجح مسلک کو اختیار کرلیتے اور کسی مسلک کے قوی ہونے کی وجہیں ان کے نزدیک یہ تھیں کہ:۔

(الف) کثرت سے علمار کی یہی رائے ہو۔

(ب) یا وہ مسلک قوی قیاس کے مطابق ہو۔

(س) کتاب و سنت کی صریح تخریجات سے اس کی تائید اور توثیق ہوتی ہو۔

اور جب کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا جن میں انھیں اپنے اسلاف کا مسلک معلوم نہ ہوتا

تو وہ اس صورت میں خود ان کے کام کی روشنی میں استنباط اور تخریج کرتے، ابراہیم نخعی اور ان کے اصحاب کا خیال تھا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کا فقہ میں کوئی مدِ مقابل نہیں جیسا کہ علقمہ نے مسروق سے کہا تھا:-

ھل احدٌ منھم اثبت من عبد اللہ؟ کیا ابن مسعود سے بھی کوئی اثبت ہو سکتا ہے؟

اور امام ابو حنیفہ نے امام اوزاعی کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ابراہیم سالم سے افقہ ہیں اور اگر صحابہ کی فضیلت مسلّم نہ ہوتی تو میں کہتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمرؓ سے افقہ ہیں اور عبداللہ بن مسعودؓ کا تو کہنا ہی کیا۔

اہل کوفہ کے مسلک کا دار و مدار اکثر ابن مسعود کے فتوے، حضرت علی کے فتوے اور فیصلے اور قاضی شریح وغیرہ کے قضایا ہیں اور کوفہ والوں نے بھی اپنے ائمہ کے مسالک کو پوری کوشش اور تندہی کے ساتھ محفوظ اور جمع کیا اور جمع و تطبیق، ترجیح اور تفریع مسائل کے سلسلہ میں ان کا طرزِ عمل بھی مدینہ والوں کی طرح ہے، اس طرح ان کے یہاں بھی مسائل کی بہتات اور فراوانی ہوئی۔ اور سعید بن مسیب کی طرح ابراہیم نخعی فقہاء کوفہ کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔

العلم والعلماء

یہ جلیل القدر امام حدیث علامہ ابن عبدالبر کی شہرہ آفاق کتاب "جامع بیان العلم و فضلہ" کا نہایت صاف اور شگفتہ ترجمہ ہے۔ مترجم کتاب مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی اس دور کے بے مثال ادیب اور مترجم سمجھے جاتے ہیں۔ موصوف نے یہ ترجمہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ارشاد کی تعمیل میں کیا تھا جو ندوۃ المصنفین سے شائع کیا گیا ہے۔ علم اور فضیلتِ علم کے بیان، اہل علم کی عظمت اور ان کی ذمہ داریوں کی تفصیل پر خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے آج تک کوئی کتاب اس مرتبہ کی شائع نہیں ہوئی اس کتاب کی ایک ایک سطر سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے۔ ایک زبردست محدث کی کتاب اور ملیح آبادی صاحب کا ترجمہ، موعظتوں اور نصیحتوں کے اس عظیم الشان دفتر کو ایک دفعہ ضرور پڑھیے۔ صفحات ۳۰۰ بڑی تقطیع قیمت چار روپے آٹھ آنے، مجلد پانچ روپے آٹھ آنے